© rasailojaraid.com

یادِ یارِ مہرباں

ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان

سال کی آخری رات ......آخری رات کا آخری پہر......باہر تاریکی ہے اور اندر بے قراری ......آنکھیں شاید بند ہیں لیکن کان سن رہے ہیں۔ زباں بات کرنے کو ترستی ہے۔فون ملاتا ہوں تو دوسری جانب سے ایک آواز سنائی دیتی ہے۔آواز شاید کسی دور کے سیارے سے آرہی ہے، اس لیے پہچانی نہیں جارہی ہے۔ پوچھتا ہوں ''کون؟''

''ذوالکفل بخاری!''

''کون؟'' حیرت سے دوبارہ دریافت کرتا ہوں۔

''ذوالکفل بخاری!'' آواز سنائی دیتی ہے۔

''ملاقات کیسے ہوگی۔؟''

''ہمارے درمیان بہت سے فاصلے حائل ہیں''

''تو کیا میں آجاؤں آپ کے پاس؟''

اس سوال کا جواب نہیں ملتا۔فون بند ہوجاتا ہے۔آنکھ سے خواب رخصت ہوجاتا ہے،فقط اک قطرۂ آب رہ جاتا ہے۔

یہ مختصر ترین مکالمہ تھا جو ہمارے درمیان ہوا تھا، ورنہ ہم تو طویل کلام کے قائل تھے۔ایک دوسرے کو لذیذ اور دراز حکایتیں سناتے تھے۔ باتیں تھیں کہ ختم ہونے میں نہ آتی تھیں......دین و دنیا اور شعروسخن کی باتیں، رسالوں اور کتابوں کی باتیں، دوستوں، یاروں اور شہر یاروں کی باتیں، ادب، ایمان اور فاران کی باتیں، شاعری، دلداری اور اسلم انصاری کی باتیں! سچی بات تو یہ ہے کہ: مزے ملے ہیں انہی ''باتوں'' میں عمر بھر کے مجھے!

پیاری پیاری باتیں کرنے والا یہ شخص، اٹھارہ برس پہلے، ایک سنہری شام کو مجھے پہلی بار ملا تھا۔ان دنوں میں نے نیا نیا چُھپنا چَھپانا شروع کیا تھا اور خوش فہمی کے مارے خود کو ایک ''مشہور'' ادیب بھی خیال کرنے لگا تھا۔ چناں چہ میں یہ سمجھا کہ شاید کوئی ''مداح'' ملاقات کے لیے آیا ہے۔اس نے مجھ سے میرے نظریۂ فن اور اندازِ تحریر کے بارے میں سوالات کیے تھے اور میں نے نہایت ''مدبّرانہ شان'' سے ان کے جوابات دیے تھے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ وہ والد صاحب (پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان صاحب) سے ملنے آیا تھا اور ان کی غیر موجودگی میں مجھ سے ہم کلام ہوا تھا۔لیکن میں نے کیسے لہجے بنا بنا کر اور ہاتھ ہلا ہلا کر اسے مرعوب کرنے اور اپنی ''ادبی عظمت'' ثابت کرنے کی کوشش کی تھی......آج بھی یہ واقعہ یاد کرتا ہوں تو شرمسار ہوجاتا ہوں۔ میں نے اس کے سامنے اپنی خوش فہمی کا اعتراف بھی کیا تھا لیکن وہ وضع دار شخص طرح دے گیا۔گویا ہوا ''اچھا، مجھے یہ بات یاد نہیں۔'' انسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمزوریوں کو نظر انداز کرنا اور خامیوں سے اغماض برتنا اس کا شیوہ تھا۔

اس کے نام میں کتنی کشش، مٹھاس اور دل آویزی تھی ......ذوالکفل بخاری! پکاریے تو زبان کو شہد کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت بھی شہد کی طرح منزّہ، لطیف اور شیریں تھی۔ وہ ایک پر کشش مسحور کن اور دل آویز شخصیت کا مالک تھا۔ ہم تو اسے پا کر دیوانے ہو گئے تھے۔ مستحسن خیال، خالد مسعود، شعیب ودود، مختار پارس، افتخار شفیع، توحید الرحمٰن ......ہم سب اس کے دیوانے ہی تو تھے۔ نوجوان تو ایک طرف رہے، بزرگ بھی اس کے گرویدہ تھے۔ جناب اسلم انصاری، جناب تاثیر وجدان، جناب حفیظ الرحمٰن خان ......سب اس کی علمی اور تخلیقی خوبیوں کے معترف تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ مشفق خواجہ مرحوم ملتان تشریف لائے تھے۔ خواجہ صاحب جو خود محبوبِ نظر اور مرجع خلائق تھے، ذوالکفل بخاری پر فریفتہ ہو گئے۔ وہ ایک وضع دار شخص تھے لیکن ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ بار بار ذوالکفل کے گلے سے رومال چھیننے کی کوشش کرتے تھے اور بے تکلفی سے گویا ہوتے: ''یہ آپ نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟'' خواجہ صاحب دراصل ذوالکفل کے حسنِ تکلم، علمی لیاقت اور اندازِ تحریر سے بہت متاثر تھے اور چاہتے تھے کہ ذوالکفل پورے کا پورا ادب میں داخل ہو جائے۔ ذوالکفل ان کی اس ادا پر بس مسکراتا رہا۔ وہ کسی اور منزل کا مسافر تھا......حکمت، ہدایت اور حقیقت کی منزل کا مسافر! ادب کو تو وہ محض چراغِ راہ خیال کرتا تھا۔

ادبی شہرت سے وہ یکسر بے نیاز تھا۔ فاران اکادمی میں بھی اس نے صرف اس لیے شمولیت اختیار کی تھی کہ یہ ایک نظریاتی تنظیم تھی۔ فاران اکادمی میں ذوالکفل بخاری کی شمولیت ملتان کی ادبی تاریخ کا سنہری واقعہ ہے۔ سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک آملا تھا۔ اکادمی کی سرگرمیاں ایک عرصے سے معطل تھیں۔ ۱۹۹۱ء میں تنظیم کا احیاء کیا گیا۔ اس دوسرے دور میں شعیب ودود، مختار پارس اور غم زدہ راقم فاران کے فعال رکن تھے لیکن ذوالکفل سب میں نمایاں اور برتر تھا۔ ایک طویل عرصے تک ذوالکفل نے فاران کے اجلاسوں میں نظامت کے فرائض انجام دیے۔ وہ ناظمِ محفل بھی تھا اور رونقِ محفل بھی!! وہ کچھ اس ادا سے محفل پر چھایا ہوتا تھا کہ بزرگ اسے ستائش کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور نوجوان رشک سے تکتے تھے۔ اس زمانے میں اس نے اکادمی کے بعض اجلاسوں کے رپورتاژ بھی تحریر کیے۔ ان رپورتاژوں نے ملتان کی دنیائے ادب کو چونکا دیا تھا......تھی ''حریفوں'' کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا؟.....اس کی نثر اس کی گفتگو کی طرح شگفتہ، معنی خیز اور خیال انگیز تھی۔ وہ قلم کار اور خوش گفتار......دونوں حیثیتوں میں ایک صاحب اسلوب شخص تھا۔

ذوالکفل بخاری یوں تو بہت لطیف، مہربان اور خلیق تھا لیکن اس کی شخصیت میں ایک خاموش سا رعب، دبدبہ اور جلال بھی تھا جسے صرف ''رزمِ حق و باطل'' میں ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ میں نے آپ دیکھا یہ معجزہ......کہ اس کے سامنے ثقہ قسم کے الحاد پرست اور مذہب بیزار قرآن و حدیث کی باتیں کرنے لگتے تھے۔ اس امر کا میں نے بارہا مشاہدہ کیا تھا اور یہ بات کئی بار اسے شوخ انداز میں بتائی تھی۔ میں نے خود جب کبھی اس سے کسی دینی مسئلے کی بابت دریافت کرنا ہوتا تھا تو کچھ اس انداز کی تمہید باندھتا تھا ''ذوالکفل صاحب، آپ کو دیکھ کر لوگوں کو قرآن و حدیث کی باتیں یاد آتی ہیں ...... ذرا مجھے یہ تو بتائیں کہ فلاں مسئلے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' کبھی کبھار کچھ اس انداز سے استفسار کیا جاتا ''آپ ہمارے عالم دین ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

......ذرا اس مسئلے پر تو روشنی ڈالیں، ' یہ بے تکلفی کا ایک پیرایہ تھا جسے سائل اور مسئول خوب سمجھتے تھے۔ آخری ملاقات میں...... ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے سے کچھ دیر پہلے...... میں نے اسی پیرائے میں ایک حدیث کے بارے میں اس سے سوال کیا تھا جس کا اس نے مدلل جواب دیا تھا۔ ہم آسانی سے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے۔ وقتِ رخصت، ملاقات کے دورانیے سے طویل ہوتا تھا۔

جب تک ذوالکفل میری زندگی میں نہیں آیا تھا، زندگی کتنی بے رنگ، بے روح اور بے معنی تھی۔ اب جب کہ وہ زندہ تر شخص، حیات نہیں رہا، دنیا اندھیر ہوگئی ہے۔ ذوالکفل عدم کی راہ پر روانہ ہوگیا ہے لیکن شہرِ دل کے ہر راستے پر اس کا نقشِ پا ہے اور گلی گلی اس کی یاد بچھی ہے۔ جب تک یہ دل دھڑکتا ہے، نقشِ پا جگمگاتا رہے گا اور یاد کا چراغ روشن رہے گا۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ فون کی گھنٹی بجتی ہے تو سماعت، آوازِ دوست کو ترستی ہے۔ کتاب اٹھاتا ہوں تو صورتِ یار دکھائی دیتی ہے۔ آج بھی میں نے داغ ہائے سینہ کو تازہ کرنے کے لیے ذوالکفل کے اس مضمون کا مطالعہ کیا جو اس نے میری کتاب ''گفتنی شگفتنی'' کے حوالے سے تحریر کیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر محض چوبیس برس تھی لیکن اتنی کم عمری میں وہ حد درجہ پختہ، شگفتہ، معنی خیز اور خیال انگیز نثر لکھنے پر قادر ہو چکا تھا۔ اس کے مطالعے کی وسعت اور اندازِ بیان کی ندرت کا اندازہ اہلِ نظر اس تحریر سے بخوبی کر سکتے ہیں۔ مضمون کے آخر میں اس نے فارسی کا ایک شعر درج کیا تھا۔ شعر سادہ ہے لیکن اب اس کی معنویت پیچیدہ اور پر اسرار ہوگئی ہے۔

این نوشتم تا بہ ماند یادگار
من نہ مانم، این بہ ماند برقرار

اسرارِ حیات کے عارف نے اپنی جواں مرگی کی جانب پندرہ برس قبل ہی اشارہ کر دیا تھا۔ یہ شعر لکھ کر اس نے دوستی کے افسانے کا انجام بھی تحریر کر دیا تھا۔ مگر وقت کی روانی ایسی تھی کہ تب شعر کی معنویت سمجھ میں نہ آئی تھی۔

کل رات میں کمپیوٹر پر اس کی ایک ای میل دیکھ رہا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ میں جلد ہی تمھارے حکم کی تعمیل میں مضمون مکمل کر کے بھیج دوں گا...... تمھارا بھتیجا بختیار خلجی۔ یہ تحریر پڑھ کر دل افسردہ ہوگیا۔ مجھے وہ خوبصورت دن یاد آ گئے جب اس نے ایک روز اکیلے میں، زندگی کے میلے میں...... مجھے ''چچا عبدالباقی'' کا خطاب عطا کیا تھا۔

''چچا عبدالباقی'' دراصل اردو طنز وظرافت کا ایک ایسا کردار ہے جو بیک وقت معصوم بھی ہے اور چالاک بھی اور جو اپنی بات منوانے کے لیے ہر طرح کے حربے......سادگی، پرکاری، ہوشیاری اور نادانی...... استعمال کرتا ہے۔ ادھر بھتیجا ہے جو نہایت سعادت مند اور وضع دار ہے اور اپنے چچا کی ہر بات خاطر سے یا لحاظ سے مان جاتا ہے۔

بھتیجے بختیار خلجی! تم شاید اپنے چچا کی ''فرمائشوں'' اور ''فریب کاریوں'' سے تنگ آ کر کسی گوشہ چمن میں آباد ہو گئے ہو لیکن یہ تو سوچا ہوتا کہ تمھارے بغیر چچا عبدالباقی کی زندگی ادھوری ہے اور اس کے کردار میں کوئی کشش اور معنویت نہیں رہی...... باقی، باقی!

© rasailojaraid.com